کرنا چاہیے جو موجودہ صورت حال سے مطمئن نہیں۔ اس موقع پر انھوں نے "پاپائی کونسل برائے سماجی ابلاغ" کے جلسۂ عام میں کہا کہ چرچ کے اخبارات اور ریڈیوز کو تمام لوگوں تک انجیلی پیغام کے ابلاغ کے لیے جدید ترین ذرائع اور وسائل سے کام لینا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ "ہم آئے دن دُنیا بھر سے مختلف خاندانوں، انسانیت کے بہی خواہ مردوں اور عورتوں سے یہ شکایت سنتے رہتے ہیں کہ فلموں، ٹیلی وژن پروگراموں اور اشتہارات میں اکثر تشدّد اور جنسی مناظر دکھائے جاتے ہیں جو اخلاقی اور ثقافتی اقدار کو ملیامیٹ کر رہے ہیں۔ یہ بات بچوں کے پروگراموں کے بارے میں بھی درست ہے اور بعض نوجوان تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ان رجحانات سے سخت پریشان ہیں۔

پوپ نے کہا کہ ذرائع ابلاغ کو عوامی خدمت اور شائستگی کے اعلیٰ معیاروں کی طرف لانے کی کوششوں میں پادریوں اور اس شعبے سے وابستہ کارکنوں کو بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا چاہیے۔ شائستگی اور انصاف پر مبنی معاشرے کی تعمیر کے لیے ذرائع ابلاغ میں احساسِ جواب دہی پیدا کرنا ایک ضروری عمل ہے۔

(کرسچن وائس، کراچی - ۷ اپریل ۱۹۹۶ء)

متفرّق

مسلمان جس طرح چاہتے ہیں، اُنھیں اپنے بچوں کو پڑھانے دیجیے۔

[برطانیہ کی مسلمان برادری کو جن دینی و تہذیبی مسائل کا سامنا ہے، اُن میں سے ایک سرکاری مدارس میں مسلمان بچوں پر مسلّط کردہ مروّجہ "مذہبی تعلیم" بھی ہے۔ مسلمان قیادت اس صورت حال سے مطمئن نہیں اور عوامی سطح پر اکثر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتی رہی ہے۔ حال ہی میں باٹلی (یارک شائر) میں مسلمان بچوں نے جب سکول جانا چھوڑ دیا تو روزنامہ "انڈی پنڈنٹ" کے پال وَیلیلی نے اپنے کالم میں اس بات پر زور دیا کہ برطانوی مسلم برادری اپنے ذمہ دارانہ طرزِ عمل کے باعث اس بات کی مستحق ہے کہ اُسے اپنے سکول چلانے کے لیے سرکاری امداد دی جائے۔ پال وَیلیلی ان دنوں لندن سے شائع ہونے والے مسیحی جریدے "دی ٹیبلٹ" میں باقاعدگی سے کالم لکھ رہے ہیں۔ مدیر]

کیا یہ رویّہ درست ہے؟ کہ حقائق کو جیسے جائے تعصّبات کے خلاف قبول نہ کیا جائے۔ گزشتہ ہفتے اُس وقت ۱۵۰۰ مسلمان بچوں کو باٹلی (یارک شائر) کے سکولوں سے اُٹھا لیا گیا جب اُن کے والدین نے اِس بات پر احتجاج کیا کہ اُن کے بچوں کو مختلف النوع عقائد پر مبنی "مذہبی تعلیم" کا مضمون پڑھا

کر خراب کیا جا رہا ہے اور نتیجتہً وہ خلجان میں مبتلا ہیں۔ "مذہبی تعلیم" کے مضمون میں نوجوانوں پر جو آسانی سے اثر قبول کر لیتے ہیں، ایسے خیالات ٹھونسے جاتے ہیں جن میں مختلف طرز ہائے فکر اور نظریاتِ زندگی کے بارے میں کوئی واضح رائے نہیں ہوتی۔

اخبارات نے جس انداز میں اس واقعہ پر لکھا ہے، اِس سے کچھ رہنمائی ملتی ہے۔ وہ تعصّبات اُبھر کر سامنے آ گئے ہیں جو مقامی لوگوں کے ذہنوں میں پیوستہ ہیں۔ اسلام اجنبی کلچر کی پیداوار ہے (رُشدی اور اُس کی کتاب کے جلائے جانے کو یاد کیجیے)، یہ غیر ملکی طاقتوں سے وفاداری کا اظہار کرتا ہے (خلیجی جنگ میں بعض برطانوی مسلمانوں نے صدام حسین کی حمایت کی تھی)، اِسلام کے ماننے والے خطرناک جنونی ہیں (مشرقِ وسطیٰ میں پائی جانے والی دہشت پسندی اور لوگوں کو یرغمال بنائے جانے کو لیجیے)۔ محسوس ہوتا ہے کہ کمیونزم کے خاتمے پر کسی نئے دشمن کی تلاش میں اسلام پر نظریں جم کر رہ گئی ہیں۔

ابھی کچھ دن پہلے تک میں بھی مذکورہ بالا سب ہی خیالات کو کسی نہ کسی سطح پر مانتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں اِن کا اظہار اس کھردرے پن سے نہ کرتا تھا۔ ابھی حال ہی میں میرے ایک رفیقِ کار اور میں نے "انڈی پنڈنٹ" میں سلسلہ وار مضامین لکھنے کی خاطر تین ہفتے برطانیہ کے مسلمانوں کے ساتھ گفتگو کرنے میں گزارے ہیں۔ تین ہفتے کوئی زیادہ طویل مدّت نہیں، تاہم معمولی علم ہمیشہ خطرناک نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم کتنے انجان ہیں۔

مسلمان مذہبی تعلیم کا اپنا سلیبس خود کیوں ترتیب نہ دیں؟ اُنہیں اینگلیکن، رومن کیتھولک اور یہودیوں کی طرح رضاکارانہ بنیادوں پر، اپنے اسکول چلانے کی اجازت کیوں حاصل نہ ہو؟ کسی بھی کثیر ثقافتی معاشرے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر سکول کے نصاب میں مذہبی تعلیم کا ایسا کورس شامل ہونا چاہیے جو مختلف مذہب رکھنے والے طالب علموں (اور اُن کو بھی جو کوئی مذہب نہیں رکھتے) کو اُن عقائد کے سمجھنے میں مدد دے جن پر اُن کے ہمسایوں کے ثقافتی معمولات مبنی ہیں۔ مگر کیا مسلمان بچوں کو دوسرے مذاہب کے طلبہ و طالبات کی طرح اس بات کی اجازت نہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے مذہبی تناظر میں دینی تعلیم کا تجویز کردہ کورس پڑھیں۔ نجی طور پر --- یہ ایسی چیز نہیں کہ کوئی عوامی سطح پر تسلیم کر لے --- افسرانِ تعلیم تشویش کا اظہار کرتے ہیں جو اجنبی نظریۂ حیات کے خوف پر مبنی ہے۔ بنیادی خوف یہ ہے کہ لوگوں کے فراہم کردہ ٹیکسوں سے چلنے والے مسلم سکولوں بنیاد پرستی کو ہوا ملے گی، مگر اس کے لیے تعلیمی معیار کے بارے میں خدشات اور طالبات کے خلاف امتیازی رویّوں کے ذکر کی آڑ لی جاتی ہے۔ برطانیہ میں اسلام تیزی سے تبدیلی کے عمل سے گزر رہا ہے۔ ابتدائی مسلم سکول اپنے وسائل اور اندازِ فکر کے حوالے سے شاید قرآن کے حلقہ ہائے مطالعہ سے زیادہ کی حیثیت نہ رکھتے تھے، مگر آج صورتِ حال مختلف ہے۔ نجی سطح پر ۳۴ ہائی سکول کام کر رہے ہیں۔ ان کا معیارِ تعلیم ایک جیسا نہیں،

لیکن قومی نصاب کے مادہ وماطلبہ کے حوالے سے اُن کا معیار اس سطح پر آگیا ہے کہ جہاں معقول ضوابط کے اطلاق اور چھان پھٹک کے بعد سکول گورنر نامزد کر دیئے جائیں تو انہیں رضاکارانہ بنیادوں پر کام کرنے والے اُن سکولوں میں شامل کیا جاسکتا ہے جو امداد کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔

مسلمان معاشرے کے بارے میں جہاں خواتین کے خلاف امتیازی سلوک کے لازماً موجود ہونے کا خوف پایا جاتا ہے، وہیں اس کے بالمقابل متفقہ رویّے سامنے آرہے ہیں۔ متعدّد نوجوان مسلمان خواتین کو اپنے ایمان اور مساوات زن و مرد کی حمایت کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ نوجوان برطانوی ایشیائی باشندے اسلام کے اصل ماخذوں کے قریب تر ہوتے جارہے ہیں، اُن ثقافتی مظاہر کو چھوڑتے جارہے ہیں جو برصغیر پاکستان وہند کے تناظر میں اسلام کے ساتھ وابستہ ہو گئے ہیں۔ وہ مغربی دُنیا کے حامیان مساوات مردوزن کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مجھے آکسفورڈ یونیورسٹی کی ایک ۲۲ سالہ گریجویٹ نے کہا کہ "ہمارے لیے اسلام کوئی استبداد نہیں، بلکہ استبداد و جبر سے آزادی کا نام ہے۔ مسلمان خاتون اپنا سر ڈھانپ کر حقیقتاً یہ کہتی ہے کہ مجھے مرد کا ضمیمہ نہ خیال کیجیے، میری اپنی حیثیت ہے۔ اسلام تحریک خواتین کا انتخاب ہے جو ماں ہونے کو حقارت سے نہیں دیکھتا۔ اسلام تحریکِ خواتین کو ایک روحانی جہت عطا کرتا ہے۔"

نوجوان ایشیائی جو برطانیہ میں پیدا ہوئے ہیں، اپنے والدین سے مختلف ہیں۔ اُن میں سے متعدّد اپنے اردگرد کے سیکولر معاشرے کی اخلاقی اضافیت پسندی کا شکار ہو گئے ہیں، مگر بعض دوسرے اپنی تعلیم سے اسلام کی ایک ایسی شکل تلاش کر رہے ہیں جو اُس سے بالکل مختلف ہے جو اُن کے والدین نے جنوبی ایشیا کے دیہات سے درآمد کی تھی۔ اور یہ عمل بنیاد پرستی کی کسی شکل کی تلاش نہیں ہے۔ نوجوان مسلمان بلاشبہ اپنی شناخت قائم رکھتے ہوئے برطانوی معاشرے کے دھارے میں شریک ہو رہے ہیں، اس سے ایک نئے طرز کا اسلام سامنے آرہا ہے۔ شریفانہ لباس کے بارے میں وہ اسلام کی تعلیمات تسلیم کرتے ہیں، مگر اسے مغربی فیشن کے اندر دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ خوردونوش کے بارے میں قرآنی احکام پر عمل کرتے ہیں، مگر اُن کی ضرورت حلال پیزا (pizza) ہے۔

نوجوان برطانوی ایشیائی مسلمان کہتے ہیں کہ زیادہ تر مسلمان ریاستوں میں جبر و استبداد کی حکمرانی ہے، برطانیہ جہاں یورپ کے دوسرے ممالک سے زیادہ رواداری پائی جاتی ہے، دُنیا بھر میں بطور مسلم زندگی گزارنے کے لیے بہترین جگہ ہے۔